بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفضل
قادیان

نمبر (۱۱)

ایڈیٹر رحمت اللہ خان شاکر — یوم چہارشنبہ

جلد ۳۱	۱۴ ماہ شہادت ۱۳۲۲ ہش	۸ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ	۱۴ اپریل ۱۹۴۳ء	نمبر ۸۸

مدینۃ المسیح

قادیان ۱۴ شہادت ۱۳۲۲ ہش۔ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ہوا کی اطلاع مظہر ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضور کی طبیعت اچھی ہے۔ الحمد للہ

حضرت ام المومنین اطال اللہ بقاءہا کو سردرد زکام اور پیچش کی شکایت ہے۔ احباب حضرت ممدوحہ کی صحت کے لئے دعا کریں۔

صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور مولوی ابو العطاء صاحب لائل پور کے جلسہ سے واپس تشریف لے آئے ہیں۔ نیز مولوی قمر الدین صاحب انسپکٹر تعلیم و تربیت۔ خواجہ خورشید احمد صاحب سیالکوٹی اور مولوی عبد الرحمٰن صاحب مبشر بھی اپنے دوروں سے واپس آ گئے ہیں۔

خطبہ جمعہ

احمدیت کے دنیا میں غالب آجانے کے حقیقی معنی کیا ہیں؟

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

فرمودہ ۲ اپریل ۱۹۴۳ء مطابق ۲ شہادت ۱۳۲۲ ہش

مرتبہ:۔ رحمت اللہ شاکر

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

یہ زمانہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے

ایک غیر معمولی زمانہ

ہے۔ جس کی مثال پہلے زمانوں میں کسی جہت میں بھی نہیں ملتی۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جہاں تک سیاست کا تعلق ہے۔ اس سے پہلے کبھی بھی دنیا سیاسی مقاصد کے لئے ایک جگہ پر جمع نہیں ہوئی۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ سیاسی لحاظ سے اتحاد خیال کبھی نہیں ہوا۔ یہ تو آج بھی نہیں۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ سیاسی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے کبھی اس سے پہلے ساری دنیا کے نمائندے اکٹھے نہیں ہوئے تھے کسی زمانہ میں ایشیا میں سیاست کا زور رہا ہے اور ایشیائیوں نے دنیا پر حکومت کی ہے۔ مگر اس وقت امریکہ ابھی دریافت ہی نہ ہوا تھا۔ افریقہ کے قبائل وحشی تھے۔ یورپ کا اکثر حصہ بھی جاہل اور وحشی تھا۔ اور جو حصہ کسی قدر علم سے واقف اور بہرہ ور تھا۔ اسے ایشیا سے کسی قسم کی ہمدردی اور تعلق نہ تھا۔ پس ایشیا کے لوگ جب کبھی کسی سیاسی مسئلہ کو حل کرنا چاہتے۔ تو آپس میں ہی مشورہ کر لیتے تھے۔ نہ یورپ اور افریقہ والوں سے پوچھتے اور نہ امریکہ والوں کو جانتے تھے۔ مگر جہاں تک ایشیا کا تعلق ہے۔ سارے کے سارے ایشیائی ممالک بھی مشورہ میں شامل نہ ہوتے تھے۔ بلکہ اس زمانہ میں جو بھی مرکز سیاست ہوتا وہی سیاسی امور کو طے کر لیتا۔ جس زمانہ میں ہندوستان ترقی پر تھا۔ جب کبھی کوئی سیاسی گتھی سلجھانے کا موقعہ آتا۔ یہاں کے راجے آپس میں ہی مشورہ کر لیتے تھے۔ اور پھر کہا یہ جاتا تھا۔ کہ ہم نے

دنیا کے مسائل

کو حل کر لیا۔ حالانکہ نہ انہیں باقی دنیا سے کوئی تعلق تھا۔ اور نہ ہی باقی دنیا کو ان سے۔ جب ایران برسر اقتدار تھا۔ تو ایسے مشوروں میں ہندوستان کے کنارہ پر رہنے والے لوگوں میں سے کسی کو شامل کر لیا جاتا ہوگا یا بخارا و سمرقند کے رہنے والوں کو یا عراق سے کوئی نمائندہ آجاتا ہوگا۔ اور خیال کر لیا جاتا تھا۔ کہ دنیا کی سیاسی گتھیاں اس مجلس میں سلجھا دی گئی ہیں۔ حالانکہ دنیا کے بہت قلیل حصہ کا اس سے تعلق ہوتا تھا۔ اور جب مصر میں مرکز سیاست تھا۔ تو خود مصر کے علاوہ اس کے ارد گرد کے ممالک مثلاً شام، سوڈان۔ ابی سینیا وغیرہ کو مشورہ میں بلا لیا جاتا تھا۔ اور جب مشورہ کر کے کوئی بات طے کر لی جاتی۔ تو یہ سمجھا جاتا۔ کہ ساری دنیا اس مشورہ میں شامل ہوئی ہے۔ وہ زمانہ آج کی طرح بالکل نہ تھا۔ جب تقریباً

ہر ملک کے نمائندے

سیاسی مسائل کے سلجھانے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اس قسم کی مثال کہ تمام دنیا کے لوگ جمع ہوئے ہوں پہلے نہیں ملتی۔

اقتصادی لحاظ سے بھی یہ زمانہ بالکل نرالا ہے جس طرح آج ساری کی ساری دنیا تجارت میں شریک ہے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ پہلے زمانہ میں تو کئی ممالک کی دولت کا دوسروں کو علم ہی نہ تھا۔ مگر آج چپہ چپہ کے حالات معلوم ہو چکے ہیں اور دنیا کی دولت کو بڑھانے کے لئے

ہر گوشۂ عالم

اپنا حصہ دے رہا ہے۔ امریکہ گندم۔ تیل اور دوسری چیزوں کے ذخائر دنیا کے پیش کر رہا ہے۔ جنوبی امریکہ اپنی لکڑیاں اور غلے وغیرہ دنیا کو مہیا کر رہا ہے۔ اسی طرح وہ ممالک جو پہلے معلوم بھی نہ تھے بڑا حصہ لے رہے ہیں۔ جاپان۔ چین فارموسا اور فلپائن وغیرہ جنہیں پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ حتیٰ کہ سائبیریا کے برفانی علاقے بھی جو برف کی وجہ سے بالکل جم جاتے ہیں۔ وہ بھی اپنی اقتصادی دولت دنیا کے آگے رکھ رہے ہیں اور لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح افریقہ کے اندر جو ذخائر ہیں۔ وہ باہر نکل رہے ہیں۔ اور اس کا ایک ایک حصہ یا تو خود متمدن ہو چکا ہے۔ اور یا متمدن ممالک کے ماتحت ہے۔ یورپ کے وحشی لوگ جو پہلے کپڑے پہننا بھی نہ جانتے تھے۔ آج

تہذیب و تمدن کا جھنڈا

اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور صرف اپنے کو ہی مہذب و متمدن قرار دیتے ہیں۔ قطب شمالی اور قطب جنوبی کے جزائر کہ جہاں پہلے کوئی جہاز نہ پہنچ سکتا تھا۔ اور جو پہنچنے کی کوشش کرتا برفانی تودوں سے ٹکرا کر غرق ہو جاتا تھا۔ وہ بھی اپنی دولت اور ذخائر آج دنیا کی منڈیوں میں بھیج رہے ہیں۔ اور دنیا کی چیزیں وہاں پہنچ رہی ہیں۔ پس کہنا پڑتا ہے کہ اقتصادی لحاظ سے بھی یہ زمانہ بالکل نرالا ہے۔ پھر اگر

علمی نقطہ نگاہ سے

دیکھا جائے تو بھی یہ زمانہ بالکل عجیب ہے پہلے زمانہ میں علم صرف چند لوگوں تک محدود ہوتا تھا۔ اسلام نے چونکہ علم حاصل کرنے کی تاکید کی ہے۔ اس لئے اسلامی ممالک میں پڑھے لکھے لوگوں کی کثرت تھی۔ باقی دنیا میں تعلیم بالکل نہ تھی۔ صرف چند ایک لوگ ہی لکھنے پڑھنے سے واقف تھے۔ بلکہ لوگ لکھنا پڑھنا ضروری نہ سمجھتے تھے۔ عرب کو دیکھ لو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے زمانہ میں اہل عرب

لکھنا پڑھنا ہتک سمجھتے تھے

امراء میں سے چند لوگ لکھنا پڑھنا سیکھتے تھے۔ تا سیاسی و تجارتی معاہدات اور خط و کتابت کی جا سکے۔ اور آٹھ دس آدمیوں کو مقرر کر دیا جاتا تھا۔ کہ وہ لکھنا پڑھنا سیکھ لیں۔ باقی اسے ہتک سمجھتے تھے۔ اور اس بات پر فخر کیا جاتا تھا۔ کہ ہم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے مگر آج علم حاصل کرنے کی خواہش اتنی ترقی کر گئی ہے۔ کہ لوگ اس کے لئے قیمتی سے قیمتی چیز قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ہماری جماعت کا ایک خاندان بہت مخلص تھا۔ اور اسے لڑکوں لڑکیوں کو تعلیم دلانے کا اتنا شوق تھا۔ کہ بعض دفعہ مجھے کہنا پڑتا تھا۔ کہ آپ لوگوں نے کتابی علم کو اتنی وقعت دے رکھی ہے۔ کہ اس کے لئے آپ لوگوں کو اگر عیسائی بھی ہونا پڑے تو شاید ہو جاؤ گے۔ میری ان تنبیہات سے انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا۔ اور گو عیسائی نہیں ہوئے مگر پیغامی ہو گئے ہیں۔ ان کی لڑکیاں جب بہت پڑھ گئیں۔ تو انہوں نے غیر احمدیوں کے ہاں رشتے

اور جب ہم نے اسپر گرفت کی۔ تو ان کیلئے سوائے اس کے کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔ کہ پھانسیوں کے جا ملیں تو آج علم نہ صرف یہ کہ دنیا میں پھیل گیا ہے۔ بلکہ اسے حاصل کرنے کا شوق اتنا بڑھ گیا ہے۔ کہ

کوئی چیز اس سے زیادہ قیمتی

نہیں سمجھی جاتی۔ حتےٰ کہ بعض لوگ مذہب کو بھی اسکی خاطر چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ میرا آج کا مضمون نہیں۔ مگر میں ضمناً ذکر کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ ابھی ہماری جماعت میں بعض اور بھی ایسے خاندان ہیں کہ جو دنیوی علم یا نوکری کے لئے اپنی لڑکیوں کو پڑھانا ضروری خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ خواہ بے پردہ ہو جائیں خواہ وہ غیر احمدیوں سے شادیاں کر لیں۔ اس کی انہیں کوئی پروا نہیں۔ وہ بس اسی بات پر ناز کرتے ہیں۔ کہ ان کی لڑکی ڈاکٹر بن گئی۔ بی۔ اے پاس کر لیا اور ۱۵۰/- ماہوار کی نوکری حاصل کر لی۔ ان کا اور انکے خاندان کا نام خواہ احمدیت سے کٹ جائے۔ اس کی انہیں کوئی پروا نہیں۔ وہ اسی پر بہت خوش ہیں۔ کہ ان کی لڑکی ۱۵۰/- ماہوار تنخواہ پا رہی ہے۔ اور یہ بھی بالکل نیا نمونہ ہے۔ جس کی مثال پہلے نہیں ملتی۔ پھر

مذہبی نقطۂ نگاہ سے

بھی یہ عجیب زمانہ ہے۔ ایسا عجیب کہ اس کی کوئی مثال پہلے نہیں ملتی۔ پہلے دنیا کے زمانہ میں یہ مثالیں ملتی ہیں کہ ایک نبی آیا۔ بعض اوقات لوگوں نے اسے تلوار اٹھانے پر مجبور کیا۔ اور اس نے تلوار اٹھائی۔ پھر یہ بھی ہوا ہے کہ ایک نبی آیا۔ اللہ تعالےٰ نے اسے کہا کہ تلوار نہیں اٹھانی۔ کچھ زمانہ تک امن کی صورت اللہ تعالےٰ نے پیدا کر دی۔ مگر پھر وقت آیا۔ جب اس نبی کی قوم اٹھی اور اسنے دنیا میں تغیر پیدا کر دیا۔ مگر اسکی کوئی مثال نہیں ملتی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نبی بھیجا۔ اسے اور اس کے ساتھیوں کو حکم دیا کہ تم نے تلوار نہیں اٹھانی اور اس کا نام مسیح رکھدیا۔ اور کہا کہ تم مسیح ہو۔ اسلئے تلوار نہیں اٹھانی۔ مگر

ایک متضاد بات

جیسی کہ اور بہت سی متضاد باتیں اس زمانہ میں ہو رہی ہیں۔ یہ کر دی۔ کہ اس کا دوسرا نام کرشن رکھ دیا جس کا زمانہ اس بات کے لئے مشہور ہے کہ اس میں ایک عالمگیر جنگ ہوئی تھی۔ جس کے متعلق ہندو تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس میں کروڑوں لوگوں نے حصہ لیا۔ ہندو قوم میں مبالغہ کی بہت عادت ہے۔ اسلئے ممکن ہے۔ ہزاروں یا لاکھوں سپاہی ہوں۔ جنہیں کروڑوں بنا دیا گیا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس مبالغہ کو قائم رکھا۔ تا جب دوسرے کرشن کے زمانہ میں کروڑوں لوگ جنگوں میں شریک ہوں۔ تو

ایک مشابہت دونوں میں

پیدا ہو جائے۔ پس اس کی بھی کوئی مثال نہیں ملتی۔ کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو امن کی اتنی تعلیم دی ہو۔ اور دوسری طرف اس کے زمانہ کو ایسا جنگوں کا زمانہ بنا دیا ہو۔ کوئی نبی پہلے ایسا نہیں گذرا۔ کہ اس کے زمانہ میں ایسی جنگیں ہوئی ہوں۔ اور پھر اسے صلح کی تعلیم دیکر بھیجا گیا ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنگ بالکل نہیں کرنی۔ اور فرمایا۔ کہ اپنی جماعت کو بھی یہی حکم دو۔ بلکہ دوسرے مسلمانوں میں بھی اعلان کر دو۔ کہ آج

مذہب کے لئے جنگ

کرنے کی اجازت نہیں۔ اور فرمایا۔ کہ یہ مسیح صلح کا مسیح ہے۔ مگر جہاں اسے مسیح فرما کر یہ قرار دیا۔ کہ وہ صلح کا مسیح ہے۔ وہاں اسے کرشن کہہ کر یہ بھی قرار دیا کہ وہ جنگ کا پیغامبر ہے۔ گویا دو متضاد باتیں جمع کر دیں۔ ایک طرف اسے صلح کا عظیم الشان پیغام دیا۔ اور دوسری طرف جنگ کا۔ گو زمانہ کے تقدم و تاخر سے یہ دونو باتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ مگر اس کی مثال پہلے کوئی نہیں ملتی کہ ایک نبی کے دو نام ہوں۔ ایک تو صلح پر دلالت کرے اور دوسرا عظیم الشان جنگوں کی خبر دینے والا ہو۔ ایک ہی زمانہ میں دو دو متضاد باتیں جاری ہوں۔ ایک طرف تو جنگ۔ جنگ۔ جنگ کی آوازیں آ رہی ہوں۔ اور دوسری طرف صلح۔ صلح۔ صلح کی۔ دنیا اس سے پہلے کبھی اس طرح

دو کیمپوں میں تقسیم

نہیں ہوئی۔ ایک کیمپ تو جنگ کی تائید میں۔ اور دوسرا صلح کی تائید میں ہے۔ پہلے بیشک کبھی کبھی سکولوں میں طلباء اس قسم کی بحثیں کیا کرتے تھے کہ تلوار اچھی ہے یا قلم۔ مگر آج تمام دنیا کے فلاسفر دو حصوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ ایک زور دے رہا ہے۔ کہ صلح کے اصول مقرر کرنے چاہئیں اور دوسرا یہ کہہ رہا ہے کہ اس زمانہ کے معاملات صلح سے ہرگز طے نہیں ہو سکتے۔ یہ صرف تلوار سے طے ہوں گے۔ یہ بھی تضاد کی ہی حالت ہے۔ اور

تضاد کی حالت

انسان کو ہمیشہ حیران کر دیتی ہے۔ ایک جیسے حالات اگر ہوں تو انسان حیران نہیں ہوتا۔ دو قسم کے ہوں۔ اور امتیاز مشکل ہو جائے۔ تو انسان ضرور حیران ہو جاتا ہے۔ ایک شخص کے متعلق ہم جانتے ہیں۔ کہ وہ ہمارا دوست ہے۔ اس سے معاملہ کرتے وقت ہم حیران نہیں ہونگے ایک اور کے متعلق پتہ ہے۔ کہ وہ دشمن ہے اس سے معاملہ کرتے وقت بھی ہم حیران نہ ہونگے۔ مگر ایک شخص ہے۔ جس کے متعلق دس آدمی ہمارے پاس آکر بیان کرتے ہیں کہ وہ تمہارا بڑا دوست ہے۔ ایسا دوست کہ شاید کوئی دوسرا نہ ہوگا۔ مگر دوسرے دس آدمی آکر کہتے ہیں کہ وہ تمہارا سخت دشمن ہے۔ سخت مخالف اور کینہ ور ہے اس حالت میں ہم حیران ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ متضاد باتیں ہیں۔ تو اس زمانہ میں اسقدر متضاد باتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ کہ حیرت کا سامان اتنی کثرت سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔

مگر یہ سارے سامان جیسا کہ قرآن کریم۔ احادیث۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور ان خبروں سے جو اللہ تعالیٰ بعد میں آپ کی جماعت کے بعض لوگوں کو دیتا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔

جماعت احمدیہ کی ترقی

کی تکمیل اور اسکے غلبہ کے لئے کئے جا رہے ہیں اور جب ایک طرف ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ کے حالات ہماری قوت سے باہر ہیں۔ اور دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ ہمارے لئے ہیں۔ تو بالکل حیران رہ جاتے ہیں۔ ہماری مثال بالکل اس شخص کی سی ہے کہ جسے کہا جائے۔ کہ یہ جو ہزاروں عورتیں ہیں۔ ان میں تمہارے لئے دلہن منتخب کی جائیگی۔ مگر انتخاب تم نے نہیں کرنا۔ بلکہ اس میں تم دخل بھی نہیں دے سکتے تم چپ کر کے بیٹھے رہو۔ ہم خود چنینگے۔ اب وہ شخص بیٹھا ہے۔ کبھی کوئی ایسی عورت تجویز کی جاتی ہے جو اسے پسند نہیں۔ اور کبھی کسی ایسی کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جسے وہ پسند کرتا ہے۔ اور ان سب باتوں کو دیکھ کر وہ دل ہی دل میں کڑھتا ہے۔ اس کی رائے کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ حالانکہ فیصلہ اس کے لئے کیا جا رہا ہے۔ آج

بعینہ یہی حالت ہماری

ہے۔ یہ سارے انقلابات ہمارے لئے ہو رہے ہیں۔ مگر ہمیں خدا تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ چپ کر کے بیٹھے رہو۔ اور دنیا کو یہ سب کچھ کرنے دو۔ اور ظاہر ہے کہ ان حالات میں ہمارے لئے سوائے حیرت کے کچھ نہیں۔

میں نے اس سوال پر بہت غور کیا کہ خدا تعالیٰ نے ایسا کیوں کیا۔ ایک طرف تو یہ سارے حالات ہمارے لئے ہیں۔ اور دوسری طرف ہم بالکل بے بس ہیں۔ بلکہ حکم ہے کہ بولنا نہیں۔ میں نے ان حالات پر غور کیا۔ تو یہ بات سمجھ میں آئی۔ کہ یہ زمانہ ایسا ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت دلوں میں بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ احمدیوں کے لئے ایسے حالات پیدا کرے کہ ان کے دل

مجبوراً خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ

ہوں۔ ان احمدیوں کے لئے جو صحیح معنوں میں احمدی ہیں۔ احمدیوں میں بعض تو ایسے ہیں۔ کہ جو صرف احمدیوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ جیسے انسان نما حیوان ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی حالت بالکل یہی ہے کہ کھایا پیا اور سو رہے۔ یا زیادہ سے زیادہ کوئی چندہ لینے آیا۔ تو کچھ دے دیا۔ ان کی

روحیں مُردہ

ہیں۔ اور انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے مشن سے اس سے زیادہ دلچسپی کوئی نہیں۔ وہ بالکل مُردے ہیں۔ گویا غیر احمدیوں کے قبرستان سے بعض مُردے اٹھا کر احمدیوں کے قبرستان میں ڈالدئے گئے ہیں۔ پس جب میں احمدیوں کا ذکر کرتا ہوں تو میری مراد ایسے احمدیوں سے نہیں ہوتی۔ پھر احمدیوں میں بعض ایسے بھی ہیں۔ جو سمجھتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان کام کیلئے پیدا کیا ہے۔ مگر ایسا سمجھنے والوں کے بھی آگے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ تو وہ ہے۔ جو یہ سمجھتا ہے۔ کہ

احمدیت کا مقصد

صرف یہ ہے۔ کہ دوسروں کے ہاتھوں سے حکومت لیکر احمدیوں کے حوالہ کر دیجائے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ نتھو کی جگہ خیرو کو بادشاہ بنا دیا جائے ایسا خیال کرنیوالے لوگ پوری طرح مُردہ تو نہیں۔ ہیں تو زندہ۔ مگر انکی امیدیں اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ پس ایسے لوگ بھی درحقیقت مُردہ ہی ہیں۔ اور انہوں نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصل مقام کو نہیں سمجھا۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ نتھو کو تخت سے ہٹا کر خیرو کو اسکی جگہ بٹھا دینے کیلئے اللہ تعالیٰ کیطرف سے انبیاء نہیں آیا کرتے۔ ایسی حکومتیں جو دین سے بے بہرہ ہیں۔ اور جن کے حکمران جاہل اور ظالم ہیں۔ انکو مٹا کر انکی جگہ ویسے ہی ظالم اور جاہل احمدیوں کو حکمران بنا دینا احمدیت کا مقصد نہیں۔ اور ایسے مقاصد کیلئے اللہ تعالیٰ کے انبیاء مبعوث نہیں ہوا کرتے۔

ایک تیسرا گروہ احمدیوں کا ہے جو سمجھتا ہے۔ کہ احمدیوں کے لئے بادشاہت مقدر نہیں۔ بلکہ

ایک عظیم الشان انقلاب

مقدر ہے۔ اور جب ہم کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ احمدیت کو دنیا میں پھیلا دیگا۔ اور طاقت احمدیوں کے ہاتھ میں آ جائیگی۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ حکومت اسی طرح جس طرح کہ اب دوسروں کے ہاتھ میں ہے۔ احمدیوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو جائیگی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس طرح ایک ڈاکٹر جسم کے گندے پھوڑے کو چیر پھاڑ کر صاف کرتا۔ اور گندہ مواد نکال کر اسے دھوتا ہے۔

اس طرح ایک وقت آنے والا ہے۔ جب

احمدیوں کے ہاتھ میں نشتر

دیا جائے گا۔ اور وہ سر سے لے کر پیر تک جسم انسانی کو پھاڑیں گے۔ اور ہر جگہ سے پیپ اور گندے مواد کو خارج کرکے اور دھو دھا کر صاف کرکے ٹانکے لگائیں گے۔ اور صحیح معنوں میں احمدی وہی ہے۔ جو اس بات کو سمجھتا ہے۔ ایسا احمدی معلوم کرتا ہے کہ قرآن کریم دنیا میں کس قسم کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور خوب سمجھتا ہے۔ کہ میرے اخلاق کیسے ہونے چاہئیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصد کیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا مشن لے کر آئے تھے۔ اور کس قسم کا تغیر دنیا میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اور اس تغیر کو پیدا کرنے کے صحیح ذرائع کیا ہیں؟ اقتصادی طور پر کیا ذرائع اختیار کرنے چاہئیں کہ دنیا سے اس اقتصادی نظام کو منوایا جائے جو اسلام دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ کونسے علوم ہیں جو میں سیکھوں۔ تاکہ دنیا کو بھی اسی طرح سکھا سکوں۔ وہ سائنس اخلاق، فلسفہ، غرضیکہ ہر شعبہ علم کے متعلق سوچتا ہے۔ کہ انہیں

اسلامی تعلیم کے مطابق کرنے

کے لئے کیا تبدیلیاں ضروری ہیں۔ وہ قرآن کریم احادیث، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور آپ کی کتب کا مطالعہ کرتا ان پر غور کرتا اور ان میں سے ہیرے اور جواہرات نکال کر ایک خوبصورت ہار تیار کرکے پہلے اپنی گردن کو اس سے مزین کرتا ہے۔ اور پھر ان لوگوں کے لئے جن کی تربیت اس کے سپرد ہونے والی ہے مزین کرنے کا سامان مہیا کرتا ہے۔ ایسا شخص مردہ نہیں ہوسکتا۔ جس نے کانیں کھود کر اور سمندر میں غوطہ لگا کر ہیرے اور موتی نکالنے ہیں سست اور غافل شخص ایسا نہیں کرسکتا۔ ایک ہل چلا کر اپنے کام کو ختم سمجھنے والا زمیندار یکول میں C.a.t کیٹ پڑھا دینے والا مدرس یا دوکان پر دو سیر آٹا اور ایک سیر نمک فروخت کرنے والا دوکاندار کانیں کھود کر اور سمندر میں غوطہ لگا کر یہ موتی نہیں نکال سکتا۔ بلکہ ایسا انسان

بالکل ناکارہ وجود

ہے۔ کام کا وجود نہیں ہے۔ جو گو ہل چلاتا ہے۔ مگر جب اس کا ہاتھ ہل پر ہوتا ہے۔ اس کا دل یہ سوچ رہا ہوتا ہے۔ کہ جب دنیا بدلے گی۔ اور لوگوں کو پڑھانے کا کام میرے سپرد ہوگا۔ تو میں اسے کس طرح سرانجام دوں گا۔ وہ خیال کرتا ہے۔ کہ میں تو خود پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ دوسروں کو کیسے پڑھاؤں گا

پھر یہ سوچ کر وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کو پڑھنا شروع کرتا۔ اور بار بار پڑھتا ہے۔ اور ان میں بیان فرمودہ تفسیر القرآن کو سیکھتا ہے۔ اور اس طرح اطمینان حاصل کرتا ہے۔ کہ اب میں

دوسروں کو پڑھانے کے قابل

ہوسکوں گا۔ اس وقت تو بعض احمدیوں کی مثال اس پٹھان کی سی ہے۔ جس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس نے ایک ہندو کو پکڑا اور تلوار نکال کر کہنے لگا۔ کہ کلمہ پڑھ۔ اس نے پروٹسٹ کیا۔ اور کہا کہ میں تو ہندو ہوں مجھ سے کلمہ نہ پڑھوائیں مجھے اپنے مذہب پر قائم رہنے دیں۔ مگر پٹھان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے کہا جو مسلمان کسی کافر کو مسلمان کرے وہ جنت میں جاتا ہے۔ اس لئے میں ضرور تمہیں کلمہ پڑھاؤں گا۔ ہندو نے بہت منت سماجت کی۔ مگر اس نے ایک نہ سنی۔ اور کہا کہ ایسا موقعہ بار بار نہیں مل سکتا۔ میں کلمہ پڑھا کر چھوڑوں گا۔ آخر جب اس ہندو نے سمجھا۔ کہ اپنے دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے اتنا احتجاج کافی ہے۔ تو اس نے کہا اچھا خانصاحب پڑھاؤ کلمہ۔ تو پٹھان نے کہا کہ خو تمہارا قسمت خراب ہے۔ کلمہ مجھے بھی نہیں آتا ورنہ آج تم مسلمان ہو جاتے۔ اس پٹھان جیسے احمدی کسی کام نہیں آسکتے۔

صحیح معنوں میں احمدی

وہی ہیں۔ جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ احمدیت کے دنیا میں غالب آجانے کے معنی یہ ہیں کہ یورپ امریکہ جاپان۔ چین۔ غرضیکہ دنیا کے ہر ملک سے بڑے بڑے مؤرخ۔ فلاسفر سائنس دان لائے جائیں گے۔ اور ان سے کہا جائیگا کہ یہ تمہارے شاگرد ہیں ان کو پڑھاؤ۔ اور پھر اس کے لئے تیاری کرتے ہیں۔ تم میں سے ہر ایک کو سوچنا چاہیئے کہ کتنے ہیں جو ان لوگوں کو پڑھا سکینگے بے شک ان کے اور تمہارے علوم میں فرق ہے۔ مگر کیا تم لوگوں نے قرآن کریم۔ احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور کتب کو اس طرح پڑھ اور سمجھ لیا ہے۔ کہ ان پر ان کی خوبیاں ایسی اچھی طرح واضح کرسکو۔ اور ان کو دلائل سے قائل کرسکو۔ کہ ان سے بہتر تعلیم کوئی نہیں ہوسکتی۔ اور ان کو ایسے رستے پر چلا سکو کہ جس کی

عظمت سے وہ مرعوب

ہوسکیں۔ اور کہہ سکیں کہ واقعی درست راستہ یہی ہے ہم اب تک جس راستہ پر چلتے رہے وہ صحیح نہ تھا۔ اگر ایسا ہے تو بے شک یہ خوشی کی بات ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے دل میں سمجھتے ہیں۔ کہ وہ ایسا نہیں کرسکتے۔ تو انہیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ پیشگوئیاں ان کے ذریعہ پوری نہ ہونگی۔ اور ایسے لوگوں کے لئے

کیا خوشی ہوسکتی ہے۔ ایسے لوگوں کے دلوں میں تو کوئی احساس ہی نہیں ہوسکتا۔ کہ دنیا میں کوئی تغیر ہو رہا ہے۔ انہیں صرف اتنا ہی پتہ ہے کہ لڑائی ہو رہی ہے اور آٹا مہنگا ہو رہا ہے۔ یا یہ کہ یہ لڑائیاں اس لئے ہو رہی ہیں۔ کہ موجودہ حکمرانوں کی حکومتیں احمدیوں کے ہاتھ میں آجائیں۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ وہ بھی

بہت ہی بے وقوفی کی بات کرتے

ہیں۔ کیا نتھو کی جگہ خیرو کو بادشاہ بنا دینا ہی وہ انقلاب ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ہونا مقدر ہے۔ گویا ایک جاہل اور ظالم بادشاہ کو ہٹا کر اس کی جگہ ایک ظالم اور جاہل احمدی کو بٹھا دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کو مبعوث کیا۔ ایسے بیوقوفوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ تختوں کو بدلنے کے لئے دنیا میں نبی نہیں آیا کرتے۔ یہ تو جرنیلوں اور فوجی افسروں و سپاہیوں کا کام ہے۔ یہ خیال کرنا کہ نبی اس لئے آیا ہے کہ تخت نشینوں کو بدل دے۔ اور بعض ناکارہ بادشاہوں کو الگ کرکے ان کی جگہ اور ایسے ہی ناکارہ لوگوں کو دیدے جن کے سامنے نہ کوئی پروگرام ہو۔ اور نہ جن کا کوئی مشن ہو سخت بے وقوفی کی بات ہے۔ اور یہ خیال کرنا بالکل ایسی ہی بات ہے۔ جیسے یہ خیال کر لیا جائے۔ کہ نبی اس لئے آیا ہے۔ کہ پاخانہ صاف کردے۔ بلکہ میرے نزدیک تو

پاخانہ صاف کرنے کا کام

اس کی نسبت زیادہ بہتر ہے۔ پس یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اس غرض کے لئے نبی آئیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی ہتک ہے۔ اور جو احمدی ایسا خیال کرتا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت نہیں کرتا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی اور آپ کی دونوں کی سخت ہتک کرتا ہے کیونکہ جو ایسا سمجھتا ہے۔ وہ گویا یہ سمجھتا ہے۔ کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ بھی اور اس کا رسول بھی بے وقوف ہے۔ کہ جو ایک نبی سے ایسا کام کرانا چاہتے ہیں۔ جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں اللہ تعالیٰ۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت کرنے والا وہی ہے جو یہ سمجھتا ہے۔ کہ آپ کی

بعثت کی غرض

یہ ہے۔ کہ دنیا کے خیالات۔ عقائد اور مذاہب میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا جائے۔ کہ جسے پیدا کرنا اسلام کا مقصد ہے۔ اور یہی ایک ایسی چیز ہے جسے تسلیم کرکے ہم دنیا کے سامنے گردنیں بلند کرسکتے۔ اور کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہم ایک ایسے مقصد کو لے کر کھڑے ہوئے ہیں۔ جو

دنیا میں اور کسی کا نہیں۔ ایسا ہی احمدی جوان باتوں پر غور کرتا ہے۔ ان حالات اور واقعات سے متاثر ہوسکتا ہے۔ جو دنیا میں رونما ہو رہے ہیں۔ خواہ وہ میدان جنگ سے دس ہزار میل کے فاصلہ پر کیوں نہ ہو۔ خواہ وہ

ہمالیہ کی چوٹی پر

سادھو بن کر کیوں نہ بیٹھا ہوا ہو۔ اتنے فاصلہ پر بھی ان حالات کے اس پر ایسے اثرات ہو رہے ہوں گے۔ جو اس سپاہی پر بھی نہ ہوں گے۔ جو گو میدان جنگ میں ہے مگر صرف اتنا ہی جانتا ہے۔ کہ انگریز دس قدم بڑھے ہیں۔ اور جرمن بیس قدم پیچھے ہٹے ہیں لیکن جو ان باتوں کو سمجھتا ہے۔ جو میں نے بیان کی ہیں۔ وہ خواہ

میدان جنگ سے

کتنی دور کیوں نہ ہو۔ وہ خوب سمجھتا ہے۔ کہ ہر شر انگیز طاقت کے بڑھنے سے اسلام پیچھے ہٹتا۔ اور اس کے پیچھے ہٹنے سے اسلام آگے بڑھتا ہے۔ باوجود ہمالیہ کی چوٹی پر بیٹھا ہونے کے ہر شرارت کے آگے بڑھنے پر اس کا دل اس سپاہی کی نسبت بہت زیادہ زور کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ جو گو میدان جنگ میں ہے۔ مگر حقیقت سے آگاہ نہیں۔ اور ہمالیہ کی چوٹی پر بیٹھے ہونے کے باوجود اس کا دل زیادہ خوش ہوتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ کفر کی طاقت پیچھے ہٹی ہے۔ پس اس وقت دنیا میں جو حالات و واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ جب تک کوئی شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اہمیت کو نہ سمجھے۔ ان سے متاثر نہیں ہوسکتا۔ اور

صحیح نتائج

بھی اخذ نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے جس کے ذریعہ وہ اپنے فضل و کرم سے وقتاً فوقتاً اطلاع دیتا رہتا ہے۔ یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ دنیا میں اس وقت جو حالات رونما ہو رہے ہیں۔ وہ احمدیت کے نقطہ نگاہ سے بہت اہم ہیں۔ اسی سفر میں میں نے

ایک رویا

دیکھا ہے۔ جس سے میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ جنگ ابھی کئی شکلیں تبدیل کرنے والی ہے۔ جن میں سے بعض شکلیں اسلام کے لئے بہت خطرناک ہوں گی۔ اسی قسم کے اور رویا میں نے پہلے بھی دیکھے تھے۔ مگر میں ان کو دو الگ الگ واقعات نہ سمجھتا تھا۔ لیکن اس

رؤیا رسے بتا دیا ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کی دو شکلیں نہیں۔ بلکہ آگے پیچھے آنے والے

الگ الگ واقعات

ہیں۔ اس تازہ رؤیا کو میں عام طور پر بیان نہیں کر سکتا۔ اور شاید اس کا بیان کرنا حکومت کی مصلحت کے بھی خلاف ہو۔ اشارتاً صرف اتنا بتاتا ہوں۔ کہ میں نے دیکھا ہے۔ کہ یورپ کی دو طاقتیں ہیں۔ اور ایک ایشیائی طاقت ہے ایشیائی طاقت کا سردار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سمجھتا ہے کہ اسکے ملکی معاملات کے بارہ میں میرا مشورہ بھی مفید ہو سکتا ہے۔ یا شاید اُسے

احمدیت سے کوئی دلچسپی

ہے۔ وہ اپنے ملک کے حالات بیان کر کے مجھ سے مشورہ پوچھتا ہے۔ کہ ان حالات میں ہم کیا کریں۔ میں نے اُسے کوئی مشورہ دیا ہے۔ مگر یہ یاد نہیں کہ اُس نے کیا پوچھا۔ اور میں نے کیا بتایا۔ صرف اتنا احساس ہے کہ اُس نے کوئی مشورہ پوچھا ہے اور میں نے دیا ہے۔ پھر میں دیکھتا ہوں۔ کہ ان دو یورپین حکومتوں میں سے ایک کے نمائندہ اور اس ایشیائی حکومت کے سردار کے درمیان کمیٹی ہوئی ہے۔ دونوں جمع ہوئے ہیں کہ صورت حالات پر غور کریں اور سوچیں کہ کیا کارروائی کرنی چاہیئے۔ میں بھی وہاں گیا ہوں اور پرے ہٹ کر کھڑا ہوں۔ اس مغربی حکومت کا نمائندہ ایک کھلے میدان میں کسی پتھر پر یا ایسی کرسی یا کوچ پر جسکی پشت نہیں بیٹھا ہے۔ اور ایشیائی حکومت کا سردار کھڑا ہے۔ اور اس سے بات کرتا ہے کہ ہمارے ملک کے یہ حالات ہیں۔ ہمیں کیا کرنا چاہیئے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اجتماع کسی

معاہدہ کی بات چیت

کے لئے یا آئندہ کے لئے کوئی سکیم بنانے کے لئے ہے۔ دس بارہ گز ہٹکر میں بھی کھڑا ہوں۔ اور گفتگو سن رہا ہوں۔ ایشیائی حکومت کا نمائندہ اس مغربی حکومت کے نمائندہ کو بتاتا ہے کہ ہمارے ملک کے فلاں فلاں علاقوں میں فلاں یورپین ملک کی فوجیں موجود ہیں۔ جسے ہم پسند نہیں کرتے۔ ہمارا ملک آزاد ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں۔ کہ اس کی فوجیں وہاں موجود رہیں۔ اس پر وہ یورپین حکومت کا نمائندہ پوچھتا ہے۔ کہ کیا تم نے اس پر احتجاج نہیں کیا۔ تمہیں چاہیئے تھا کہ اس پر احتجاج کرتے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ ہم نے احتجاج تو کیا ہے۔ مگر وہ حکومت جواب دیتی ہے۔ کہ یہ فوجیں ہم نے تمہارے فائدہ کے لئے رکھی ہیں۔ جب وہ یہ بات بیان کرتا ہے۔ تو مغربی حکومت کا نمائندہ حقارت کے ساتھ

مُسکراتا ہے جس کا مطلب گویا یہ ہے کہ یہ کیسا

بے وقوفی کا جواب

ہے۔ اسے کون مان سکتا ہے۔ اس موقعہ پر وہ ایشیائی حکومت کا سردار اس سے کہتا ہے۔ کہ میں نے ان سے (مجھ سے) بھی مشورہ لیا ہے۔ اور انہوں نے (یہ) مشورہ دیا ہے۔ مگر مجھے پھر پتہ نہیں۔ کہ اس نے کیا بتایا۔ کہ اس نے کیا مشورہ پوچھا تھا۔ اور میں نے کیا دیا۔ اس پر اس مغربی حکومت کے نمائندہ نے حیرت کا اظہار کیا۔ کہ اچھا ان سے بھی تم نے مشورہ لیا ہے۔ پھر وہ آپسمیں بحث کرتے ہیں۔ کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ اسوقت میں صورت حالات کو پوری طرح معلوم کر کے گھبراتا ہوں۔ اور خیال کرتا ہوں۔ کہ ہمیں بھی اب کسی اقدام کی ضرورت ہے۔ جونہی یہ خیال میرے دل میں آتا ہے۔ ایک صورت میرے سامنے نمودار ہوتی ہے۔ جو معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کا فرشتہ ہے اور وہ کہتا ہے۔

"دُعا سے کام لینا ہی اچھا ہے، آخر وقت تو معلوم ہو گیا ہے"

اور میں معاً خیال کرتا ہوں۔ کہ درحقیقت دُعا سے کام لینا ہی اچھا ہے۔ اس رؤیا کے بعض حصے ہیں۔ جو میں نے بیان نہیں کئے۔ اور ان سے بعض دوسرے حصوں کی تشریح ہو جاتی ہے بہرحال جو باتیں بتائی گئی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آئندہ بعض فتنے بہت زیادہ خطرناک آنیوالے ہیں۔ اور وہ اسلام کے لئے بہت زیادہ مضر ہونگے۔ مگر یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ جیسا کہ رؤیا میں فرشتہ نے بتایا ہے۔ دعا سے کام لینا ہی اچھا ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے۔ کہ آخر وقت تو معلوم ہو گیا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ ابھی وقت ہے۔ اور

دُعا کی قبولیت کا موقع

ہے۔ دُعا کی قبولیت کے بھی مواقع ہوتے ہیں۔ ایک شخص کے لئے ہم دُعا کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اُسے بیٹا دے۔ اب ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے۔ کہ سو فیصدی یہ دُعا ضرور قبول ہو جائیگی۔ مگر یہ بھی نہیں۔ کہ اس کا پورا ہونا ممکن نہیں ہے۔ کئی ایسے لوگوں کے ہاں جن کے پہلے لڑکے نہیں ہوتے۔ دعا سے ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ بھی

اللہ تعالےٰ کا قانون

ہے۔ کہ ایک مہینہ سے چالیسویں دن تک لڑکی یا لڑکے کی شکل معین ہوتی ہے۔ اور اس اثناء میں وہ تبدیلی کر دیتا ہے۔ لیکن اگر ہم نویں مہینہ میں جبکہ جنین کے تمام زنانہ اعضاء مکمل ہو چکے

ہیں۔ یہ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ لڑکا دے۔ تو یہ وقت اس دُعا کی قبولیت کا نہیں ہوگا۔ یا کسی آدمی کا آخری وقت آپہنچا ہو۔ اسے فرشتے سامنے نظر آرہے ہوں۔ غرغرہ شروع ہو چکا ہو۔ تو اُس وقت اگر یہ دُعا کی جائے۔ کہ یہ بچ جائے۔ تو یہ دُعا کی قبولیت کا وقت نہیں ہوگا۔ لیکن اگر آدھ گھنٹہ پہلے دُعا کی جائے۔ تو بچ سکتا ہے۔ گو لوگ یہ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ کہ یہ دُعا سے بچا ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اُس نے بچنا ہی تھا۔ تو

ایک وقت دُعا کی قبولیت کا

نہیں ہوتا۔ اور ایک ہوتا ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ آخر وقت تو معلوم ہو گیا ہے۔ اس کے معنے یہی ہیں۔ کہ جو وقت بتایا گیا ہے۔ اس کے فاصلہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابھی دُعا کا وقت ہے۔ جس سے اللہ تعالےٰ ان فتنوں کو دُور کر سکتا ہے۔ یا ان کی ایسی شکل بدل سکتا ہے۔ کہ وہ اسلام اور احمدیت کے لئے مضر نہ رہیں۔ اس رویا کے بعض حصے میں نے بیان نہیں کئے۔ جن سے مضمون بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ مگر بہرحال اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ دنیا میں ایسے تغیرات ہونیوالے ہیں کہ جو عقلمند اور دردمند

دلوں کو ہلا دینے والے

ہونگے۔ اور گو وہ دنیوی اور جنگی نوعیت کے ہونگے۔ مگر احمدیت اور اسلام کے لئے اتنا خطرناک اثر رکھنے والے ہوں گے۔ کہ جسے دیکھ کر جنون کی کیفیت طاری ہو جائے۔ مگر جو شخص نہ پیشگوئیوں کو پڑھتا یا سنتا ہے نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقاصد سے واقف ہے۔ نہ قرآن کریم یا احادیث کو کبھی پڑھتا اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے لئے کوئی فرق نہیں۔ وہ صرف اتنا ہی جانتا ہے کہ لڑائی ہو رہی ہے اور لوگ مر رہے ہیں۔ مگر وہ جو جانتا ہے۔ کہ یہ لڑائی صرف انگریزوں و جرمنوں کی نہیں۔ یا اتحادیوں اور محوریوں کی نہیں۔ بلکہ

اِس کے ہر ایک واقعہ سے

وہ اثر قبول کرتا ہے۔ جو اسلام اور احمدیت پر پڑ سکتا ہے۔ وہ اس نگاہ سے اس کو نہیں دیکھتا کہ دنیا کی قومیں لڑتی ہیں۔ اور کوئی آگے بڑھتی یا پیچھے ہٹتی ہے۔ بلکہ اس نظر سے دیکھتا ہے کہ ان قوموں کے پیچھے پیچھے

خدا تعالےٰ کے فرشتے

چلے آرہے ہیں۔ ان تمام تغیرات کو وہ آسمان کی طرف لے جاتا۔ اور ان میں ایک رُوحانی جنگ کو مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اس سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ نادان انسان اسے دیکھتا۔ اور حیران ہوتا ہے۔ کہ یہ اتنا کیوں متاثر ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ ان امور کو نہیں دیکھ سکتا۔ جو دوسرا خدا کا بندہ دیکھ رہا ہے۔ اور اس کی آنکھوں پر وُہ دُوربین نہیں۔ جو دوسرے کی آنکھوں پر ہے۔ پس میں

جماعت کے دوستوں کو نصیحت

کرتا ہوں۔ کہ وہ دُعاؤں پر بہت زور دیں۔ بہت دُعائیں کریں۔ کیونکہ دنیا میں بہت بڑے انقلاب پیدا ہونے والے ہیں۔ اپنے لئے بھی بہت دُعائیں کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر بھی انقلابی رُوح پیدا کرے۔ تاہم اس انقلاب کی اہمیت کو سمجھ سکیں جو ہمارے ذریعہ علمی۔ اقتصادی۔ سیاسی اور مذہبی لحاظ سے دنیا میں پیدا کیا جانا مقدر ہے۔ خوب یاد رکھو۔ کہ دنیا کے بڑے بڑے سائنسدان فلاسفر اور دیگر علوم کے ماہر تمہارے سامنے لائے جائینگے۔ وہ تمہارے شاگرد ہونے والے ہیں۔ پس اسوقت کے لئے تیاری کرو۔ ایسا نہ ہو۔ کہ تم بھی پٹھان کی طرح کا کلمہ پڑھانے والے ثابت ہو۔ وہ وقت آنے سے پہلے

اپنے اندر ایسا تغیّر

پیدا کرو۔ کہ ایسا کلمہ پڑھانے کے اہل بن سکو جس قسم کا کلمہ پڑھانا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ منہ سے لا الٰہ الا اللہ کہہ دینے کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں۔ منہ سے کلمہ پڑھ لینا تو وہی بات ہے، جو پیغامی کہتے ہیں کہ جب کسی نے منہ سے کلمہ پڑھ دیا۔ تو وہ کافر کیسے ہو سکتا ہے اگر محض منہ سے کلمہ پڑھ لینے سے انسان مسلمان ہو سکتا ہے۔ تو یہ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ مگر یاد رکھو۔ منہ سے کوئی لفظ ادا کر دینا کوئی بات نہیں۔ جس کلمہ سے انسان مسلمان بن سکتا ہے۔ وہ

کلمہ کی اصل حقیقت

ہے۔ جسے اگر تم سمجھتے ہو۔ تو تم دنیا کے اُستاد بن سکتے ہو لیکن اگر خود نہیں سمجھتے۔ تو دوسروں کو کیا سکھاؤ گے۔ صرف منہ سے لا الٰہ الا اللہ تو مصری اور عرب اور دوسرے اسلامی ممالک کے عیسائی بھی تم سے بہت اچھا کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ عربی اُنکی مادری زبان ہے۔ مگر منہ سے کہہ دینا کوئی بات نہیں۔ اصل چیز تو اسکی حقیقت کو پہچاننا ہے۔ پس اسے سیکھو۔ اور دوسروں کو سکھانے کی تیاری کرو۔ اور بہت دُعائیں کرو۔ تا جب دنیا میں تغیر پیدا ہو۔ تو تم سوئے ہوئے نہ پائے جاؤ۔ بلکہ جاگتے اور مستعد پائے جاؤ۔

... شائع کیا۔ ایڈیٹر۔ رحمت اللہ خان شاکر